

کہیں نہیں گرتے

راحت وفا

ڈسنے لگی ہے اب شبِ فرقت کی تیرگی
آ جاؤ صبحِ روئے منور لیے ہوئے
ہر غم پر ہے اک نئی الجھن کا سامنا
ہم آئے ہیں عجب مقدر لیے ہوئے

آج تک طوفان کا نام سنا تھا۔ تند و تیز ہواؤں کا طوفان، کالی لال منہ زور آندھیوں کا طوفان آتا ہے تو کوئی سدھ بدھ نہیں رہتی، کچھ بچھائی نہیں دیتا، سب دروازے بجتے ہیں، سب کھڑکیاں آپس میں ٹکرائیں کر لہو لہان ہوتی ہیں۔ درخت گرتے ہیں، عمارتیں زمیں بوس ہوتی ہیں، ایک شور اور طاقت کی زد میں ہر شے بے بس ہو جاتی ہے۔ ایسا طوفان قیامت کی قبا پہن کر آتا ہے اور ہوش و خرد کے سب دروازے بند کر دیتا ہے، انسان طوفان کے آنے اور اس کے جانے کے بعد گرد کی دبیز تہہ میں اپنے ساز و سامان سمیت دب جاتا ہے پھر ہولے ہولے گرد و مگر کرا سے سب پرانی چیزوں کا احساس دلاتی ہے کہ یہ سب تو تمہاری چیزیں ہیں جو گرد کی لپیٹ میں آ گئی تھیں۔ ظہیر ہمایوں گزشتہ چار گھنٹوں سے شدید طوفان میں گھرے ہوئے تھے۔ جھکڑ چل رہے تھے، گرد اڑ رہی تھی، ماضی کی یادوں کی حقیقتیں ان کی آنکھوں کے سامنے رقص کر رہی تھیں..... چار گھنٹے پہلے نشید کمال کیا طوفان ان پر چھوڑ گیا تھا، جس کی شدت کسی ایٹم بم سے کم نہیں تھی..... اس حقیقت کی تکلیف سے وہ بے سب ہو کر میز پر رکھی اس ٹھیلیں ڈبیا کو دیکھ رہے تھے جو ان کے سامنے رکھی ان کا امتحان لے رہی تھی..... اس کا کہا آخری جملہ ان کی ذات کو کچھ کے لگا رہا تھا۔

”یہ..... شخص چاہت کو جانتا ہے، کیا جانتا ہے میرے اور اس کے بارے میں، نہیں..... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے تو بھول کر بھی کسی سے تذکرہ نہیں کیا، چاہت کی محبت کو بھی.....“ ظہیر نے گنگ نہیں دیا پھر یہ کیا کہنا چاہتا ہے؟ خمار کے ساتھ چاہت کو کیوں ملا گیا؟“ وہ دیوانوں کی طرح خود سے سوال و جواب کر رہے تھے مگر کوئی سراہا تھا نہیں آ رہا تھا۔

”ظہیر ہمایوں..... کچھ تو ہے، تمہاری عزت، تمہاری پردہ داری شاید نشید کے ہاتھ لگ گئی ہے ورنہ وہ کیوں کہتا کہ میں نے محبت کو گناہ بنا دیا..... وہ کیوں کہتا ہے کہ انگوٹھی خمار کو پہنا دیا چاہت کو.....“ انف یہ شخص کیا چاہتا ہے؟“ وہ شدت سے چلائے، تب ہی خمار ان کے کمرے میں داخل ہوئی..... اسے دیکھ کر انہوں نے جلدی سے انگوٹھی کی ڈبیا ہاتھ بڑھا کر اٹھائی اور نیچے ایک طرف گرا دی..... خمار کی نظر اس پر نہیں پڑی تھی۔

”خیریت بابا..... آپ فہمہ کر رہے تھے کسی پر، پر یہاں تو کوئی نہیں۔“ خمار بوکھا کر بولی۔
 ”وہ..... ہاں..... میں..... بس کسی کا فون تھا۔“ وہ حواس بحال کر کے بال گئے۔
 ”کس کا؟“

”کسی کلابینٹ کا آپ یہ دیکھنا آپ کی شاعری کی کتاب چھپ کر آ گئی ہے، وہ سو کتابیں ہیں۔ مجھے تو بہت پسند آئی ہے۔ اب کوئی تقریب رکھو اور اپنے اس استاد کو بھی بلاؤ بلکہ اسے چیف گیسٹ بناؤ اور.....“
 ”بس بابا..... کیا ہو گیا ہے آپ کو، مجھے معلوم ہے یہ سب باتیں آپ نے بے وجہ کی ہیں..... اصل بات کیا ہے وہ بتائیں؟“ وہ کچھ اونچا بول گئی۔

”کوئی بات نہیں ہے، بیٹھو کیا رہا میننگ میں؟“ وہ پھر پہلو تھپی کر گئے۔

”اچھا رہا..... مگر آپ ڈسٹرب لگ رہے ہیں۔“

”کوئی ڈسٹرب نہیں ہوں میں۔“ وہ بولے۔

”بابا! آپ کی صحت متاثر ہو رہی ہے آپ انکوڈ کر رہے ہیں، مجھے بتائیں کیا بات ہے؟“ خمار بھنڈ رہی۔

”خمار مانی پرنسز! آئی لو ایو مائی ایم فائن۔“ انہوں نے اٹھ کر اسے گلے سے لگایا اور پیشانی چومتے ہوئے کہا تو خمار مطمئن ہو گئی۔

”دیر ہو گئی ہے گھر چلیں۔“

”نہیں..... آپ جاؤ مجھے ایک کام سے جانا ہے۔“ وہ بولے۔

”اوکے..... لیکن جلدی، کچھ کھایا بھی ہے کہ نہیں؟“

ZEMTIME
 SINCE 2011



”کھالوں گا، ایک دوست سے ملنا ہے اس کے ساتھ کھالوں گا۔“ انہوں نے کہا تو وہ وہاں سے آگئی تھی۔

☆.....☆.....☆

گیٹ پر گاڑی کا پارن بجاتا جگنو نے استری کا سوچ نکال کر باہر کا رخ کیا، چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا، بڑی سی سیاہ لینڈ کروزر راندر آچکی تھی۔ جگنو آگے بڑھا، ظہیر ہمایوں گاڑی سے باہر نکلتے تو جگنو کو مقابل دیکھ کر آگ بگولا ہو گئے۔

”کیا ضروری ہے کہ جب میں یہاں آؤں تو سب سے پہلے تمہاری منحوس صورت دیکھنے کو ملے۔“

”مجبوری ہے، صورت حسین نہیں ہے، اسی صورت سے کام چلائیں۔“ جگنو کافی سنبھل کر بولا تو ان کے غصے میں اور اضافہ ہو گیا۔

”بکومت آگے سے ہٹو۔“

”آپ کو مذاق لگ رہا ہے۔“ وہ مسکرایا۔

”ویسے تم کس قدر ڈھیٹ ملازم ہو، ابھی تک یہاں ہو۔“ وہ بولے۔

”بڑے صاحب..... ڈھیٹ تو آپ بھی ہیں۔ ہماری بی بی کئی بار نکال چکی ہیں آپ پھر آ جاتے ہیں۔“

”وہاٹ..... تمہاری اتنی جرات، ابھی چاہت سے بات کرتا ہوں۔“ وہ شدید غصے سے بولے۔

”صاحب..... ہم سچ کہہ رہے ہیں بی بی نہیں ہیں، وہ دہی گئی ہیں۔“ جگنو نے یقین دلانے کی کوشش کی۔

”دہی.....!“ وہ بڑبڑائے شاید دہی کے ذکر سے کچھ یاد آ گیا۔

”جی..... یقین نہیں تو فون کر لیں۔“

”کیوں؟“

”کیڑے لے کر گئی ہیں، وہاں شو ہے۔“

”فیشن شو؟“

”یہی ہوگا، ہم نہیں جانتے۔“ وہ بھولا بن گیا۔

”کب آئیں گی؟“

”اللہ جانے.....“

”فون نمبر دے سکتے ہو؟“

”ہاں جی.....“

”بولو.....“ انہوں نے جیب سے اپنا سیل نکالا۔

”ہمیں زبانی یاد نہیں لکھ کر لاتے ہیں۔“ جگنو اندر گیا اور منٹوں میں ایک کاغذ پر چاہت کا سیل نمبر لکھ کر لے آیا۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ مڑنے لگے تو وہ بولا۔

”ویسے ایک بات کہیں۔“

”کیا؟“

”آپ بی بی کو فون نہ کریں۔“

”کیوں؟“

”بلا وجہ وہاں غصہ ہوں گی، وہ اب آپ سے ملنا نہیں چاہتیں اس لیے۔“

”اپنے کام سے کام رکھو، نوکر ہو۔“ انہوں نے جھڑکا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے..... جگنو انہیں کھا جانے والی

نظروں سے اس وقت تک کھورتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئے۔ گاڑی گیٹ سے باہر نکلی تو وہ اندر آ گیا۔

☆.....☆☆.....☆

خمار بہت خوش تھی، یاؤں زمین پر نہیں نک رہے تھے، کتاب کا چھپنا اس کی بہت بڑی خواہش کی تکمیل تھی، بہت دنوں بعد اسے خوش ہنستا مسکراتا دیکھ کر عنایت بی بی اور تاج دین بابا سمیت دیگر ملازمین بھی بہت حیران تھے۔ خاص کر بہار کو سخت قسم کا تجسس تھا کہ ایسا کیا ہوا ہے؟ وہ پوچھنا چاہتی تھی لیکن سازنوں پر بات کر رہی تھی شاید اپنے استاد سے بات کر رہی تھی۔

”عیں آپ کی مشکور ہوں، راجہ صاحب! آپ کل تشریف لائیں پھر جیسے پروگرام بنائیں گے ویسا کریں گے، شان دار تقریب ہوگی لیکن مجدد و لوگوں کی۔“ اس نے بات مکمل کی اور پھر اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

”کیا..... کیسی تقریب؟“ بہار نے پوچھا۔

”آج بڑا خوشی کا دن ہے، میری کتاب چھپ کر آ گئی ہے۔“ خمار نے خوشی سے بہار کو گلے لگا کر بتایا۔

”واؤ..... کانگریجولیشن۔“ بہار نے مسرت سے کہا۔

”شکر ہے اللہ کا، بابا نے کہا ہے کہ اس کی تقریب کرو، وہی راجہ صاحب کو بتا رہی تھی۔“ خمار نے بتایا۔

”بہت خوشی کی بات ہے، کہاں ہے کتاب؟“

”وہ بابا اپنے ساتھ لے آئیں گے ایک کتاب نہیں ہے زیادہ کتابیں ہیں۔“

”چلو اس بہانے اس گھر میں کوئی خوشی تو آئی۔“

”ان شاء اللہ! تمہارے لیے بھی خوشیاں آئیں گی۔“ خمار نے کہا تو بہار بھجھی گئی۔

”شاید.....“

”شاید نہیں یقیناً۔“

”ہو سکتا ہے۔“

”بہار.....“ اس نے سنجیدگی سے پکارا۔

”ہنہ.....“

”میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری خوشی تمہیں دلا دوں گی۔“ خمار نے کہا۔

”وعدے نہ کریں، بس اللہ پر چھوڑ دیا ہے۔“

”بے شک اللہ ہی پر ہم سب کام چھوڑتے ہیں مگر ذریعہ تو وہ ہمیں ہی بناتا ہے۔“ خمار نے جواب دیا۔

”چلیں ایسا ہی سہی۔“

”میں تمثال کی غلط فہمی دور کروں گی۔“ خمار نے کہا۔

”کیسی غلط فہمی؟“ اس نے پوچھا تو خمار بوکھلائی۔

”یہی کہ تمہاری متکلفی نہیں ہوئی۔“

”اسے اس سے زیادہ اس بات کی ناراضی ہے کہ اس کے گھر والوں کو یہاں سے نکالا گیا۔“

”وہ بھی مجھ پر چھوڑ دو۔ میں آفس سے واپسی پر تمثال سے ملوں گی۔“ خمار نے کہا۔

”اوکے..... کاش وہ مان جائے۔“

”کیسے نہیں مانے گا؟“ خمار مسکرائی۔

”اور بابا.....“
 ”بابا بھی وقتی طور پر ضد پر ہیں، ٹھیک ہو جائیں گے۔“
 ”ورنہ.....“

”تو ورنہ، چلو چائے پیتے ہیں۔ چائے تیار ہو گئی ہوگی۔“ خمار نے کہا اور دونوں ساتھ ہی نیچے آ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

سڑک کے ایک طرف گاڑی روک کر ظہیر ہمایوں اپنے دماغ پر ہونے والے دباؤ کو کم کرنے کی کوشش میں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے کنپٹیوں کو دبایا، کچھ لمبے لمبے سانس لیے۔ بہت سوچ بچار کے بعد سیل فون اٹھا کر جگنو کی دی ہوئی پرچی کو کھولا اور نمبر ملایا..... چند سیکنڈ بیل گئی اور پھر فون انینڈ ہو گیا۔
 ”ظہیر صاحب! خیریت ہے؟“ دوسری طرف سے چاہت کی طنز یا آواز آئی۔ ظہیر ہمایوں کا فون نمبر ڈیلیٹ کرنے کے باوجود اس نے پہچان لیا تھا۔

”شکر ہے تم میں اتنی محبت باقی ہے کہ میرا فون نمبر پہچان لیا۔“ وہ بھی طنز سے باز نہ آئے۔
 ”محبت کے باقی ہونے سے نمبر کی پہچان کا کوئی تعلق نہیں، کیوں فون کیا؟“ چاہت نے بڑے روکھے انداز میں پوچھا۔

”معلوم ہے محبت تو شرط سے منسلک تھی اور ایک آدمی آپ کا ہے۔“ وہ اس وقت بھی کڑواہٹ سے باز نہ آئے۔
 ”مسٹر ظہیر ہمایوں صاحب..... مطلب کی بات کریں ورنہ نہ کریں میرے پاس آپ کی فضول باتوں کے لیے وقت نہیں ہے۔“

”پھر محبت کے دعوے.....“

”آپ کو محبت کی کمی محسوس ہو رہی ہے؟“

”نہیں.....“

”پھر وجہ گفتگو؟“

”دھونگ تھی محبت۔“

”محبت کی شکلیں ہوتی ہیں، یہ ایک سے جڑ کر دوسرے کی محبت ختم نہیں کرتی، آپ کی محبت آپ سے تھی اور میری محبت میری بی بی سے بھی تھی..... جس آپ نے ملیا میٹ کر دیا۔“
 ”کسی نشید کمال کو جانتی ہو؟“ وہ اپنے پر آئی بات یکسر ٹال کر بولے۔

”کون نشید کمال؟“ اس نے پوچھا۔

”وہی جسے مجھے بلیک میل کرنے کے لیے استعمال کر رہی ہو۔“ وہ طنز یہ بولے۔

”میرا دماغ یہاں بہت اچھے کاموں میں مصروف ہے، فون بند کر دیں۔“ اس نے خاصے غصے سے کہا۔

”بولو، جانتی ہو کہ نہیں؟“

”میں کیوں بتاؤں؟“

”مطلب بدلا لینا چاہتی ہو اس لڑکے کے ذریعے کہ وہ میری ساکھ برباد کرے میرا تماشا لگائے۔“ انہوں نے تیز لہجے میں کہا تو وہ بھی آگے سے باہر ہو گئی۔

”مجھے آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا، بدلا تو دور کی بات ہے، بدلے لے ان سے لیتے ہیں، جنہیں آپ جانتے ہوں، میں

پھٹی ہوئی کتاب شیلف میں سے نکال کر پھینک چکی ہوں۔“ اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا، ظہیر ہمایوں تھملا کر رہ گئے..... دوبارہ فون ملا کر دھاڑے۔

”پھر وہ کون ہے..... کیسے میرے اور تمہارے بارے میں جانتا ہے؟“

”اسی سے پوچھو۔“ اس نے پھر فون کاٹ دیا۔ انہوں نے پھر ملایا۔

”مطلب! میری بے عزتی کروانا مقصد ہے، اس سے کچھ فائدہ نہیں ہونے والا۔“ وہ بولے۔

”مجھے اس وقت فائدہ نہ ملا جب آپ نے میرے جذبات کا اپنا لذت تک مجروح کیا، میں نے سب کچھ سوچ کر آپ سے بدلے میں صرف زہر کشید کیا ہے، زہر نے میرا تڑپا من نیا کر دیا ہے، میں نے آپ کے لیے فائدہ مند بھی نہ ہوں، اب ہمارے درمیان زہر کی سبز لکیر ہے اور کچھ نہیں..... آپ کی عزت، ساکھ کسی چیز سے میرا کوئی تعلق نہیں پلیز مجھے آئندہ فون نہ کرنا۔“ چاہت کی زہر آلود آواز سے خوب زہر برسا یا اور پھر فون بند کر دیا..... ظہیر ہمایوں سلگ کر رہ گئے تھے۔

☆.....☆☆.....☆

خلاف معمول بہار اور خمار دونوں نے بڑے خاص طریقے سے ڈنر کی تیاری کرائی تھی، وہ بابا کی منتظر تھیں مگر وہ پہنچے تو خاصے اپ سیٹ تھے۔

”بابا..... کھانا ریڈی ہے۔“ خمار نے کہا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے، خمار کو ابھن ہوئی۔ وہ پیچھے چلی آئی۔

”بابا..... سب ٹھیک تو ہے ناں؟“

”ہاں..... پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔“ وہ کمرے میں داخل ہو کر بولے۔

”کیوں بابا؟ آپ ہمیں اکیلا کیوں چھوڑ رہے ہیں۔“ وہ روہانسی ہو کر بولی۔

”پتا نہیں کیا چھوڑ رہا ہوں..... کیا ہو رہا ہے؟“ وہ بے زاری سے بولے۔

”بابا..... آپ کو کبھی میں نے اتنا کمزور نہیں دیکھا، میرا مطلب کسی ابھن میں گھر نہیں دیکھا۔“

”وقت، وقت کی بات ہے، کبھی کچھ ایسے رویے آزمائش بن کر سامنے آ جاتے ہیں۔“ وہ گویا اعتراف کر گئے کہ ابھن میں ہیں۔

”کیسے رویے؟“

”کچھ بھی اچھے برے وہ پیچھا کرتے ہیں۔“ وہ بہت مدہم سببے میں بولے۔

”تو ان کا حل نکالا جاسکتا ہے، تلافی ہو سکتی ہے، آپ بتائیں تو، کڑھنا چھوڑیں بابا۔ آپ کی وجہ سے میں پریشان

ہوں، اتنا اچھا کھانا پکوا یا ہے، میں اور بہار خوش تھے مگر آپ.....“

”میں ٹھیک ہوں، مجھے کیا ہوتا ہے؟“

”بابا..... آپ کیا ایسے تھے؟ آپ ایسے نہیں تھے..... اتنی اہم میٹنگ آپ نے خود نہیں لی..... ہمیں بتائیں کیا بات

ہے؟“ خمار نے اصرار کیا۔

”میں کسی بزنس ڈیل میں الجھا ہوں اور کچھ نہیں، اب جاؤ، تاج دین کو بھیج دو۔“ انہوں نے کہا تو خمار باہر آ گئی اور اس

نے تاج دین کو ان کے کمرے میں بھیج دیا۔

”کیا ہوا بابا کو؟“ بہار نے پوچھا۔

”کچھ نہیں بس تھکے ہوئے ہیں آرام کرنا چاہ رہے ہیں۔“ نثار نال گئی۔
”اور کھانا؟“

”آؤ ہم دونوں کھاتے ہیں۔“ نثار نے اسے ساتھ لیا اور ڈالینگ روم کی طرف آ گئی۔
”بابا کو کوئی ٹینشن ہے۔“ بہار نے خدشہ ظاہر کیا۔

”ہو سکتا ہے، وہ بتانا نہیں چاہتے۔“

”مگر اس طرح تو بیمار ہو جائیں گے۔“

”اچھا جی اشکر ہے بابا کی لاڈلی کو لگتو ہوئی۔“ نثار نے اسے چھیڑا۔

”مجھے صرف یہ پسند نہیں کہ بابا تمثال کو ناپسند کریں۔“

”ٹھیک ہے مگر ہم اپنے بابا کو آرام سے سنبھالیں گے۔“ نثار نے کھانے کی میز کے قریب پہنچ کر کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”مگر آپ نے وعدہ کیا ہے؟“

”بیٹھو..... کھانا کھاؤ، میں ملوں گی، سب ٹھیک ہوگا۔“

”مجھے بھی ساتھ لے جاؤ گی۔“

”نہیں، ایک دفعہ میں مل لوں پھر۔“ نثار نے اپنی پلیٹ میں راس نکالتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا میں بابا سے مل کر آؤں، کچھ ہو رہا ہے مجھے؟“ بہار نے نگر بندی ظاہر کی۔

”انہوں نے تاج بابا کو بلایا ہے، جب وہ آجائیں تب چل جانا۔“ نثار نے کہا۔

”اوکے۔“ بہار نے اپنی پلیٹ میں سالن نکال لیا تھا۔

☆.....☆.....☆.....

تاج دین بابا کو کمرے میں خود بلا کر جیسے وہ بھول گئے تھے آنکھیں موند کر کسی گہری سوچ میں ڈوبے تھے اور تاج دین حق وفاداری کا تقاضا نبھاتے ہوئے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ کافی دیر بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں تو تاج دین بابا کو دیکھ کر بولے۔

”میرے پاس تاج دین کی وفاداری نہ ہوتی تو میں بالکل اکیلا پڑ جاتا۔“

”اللہ آپ کو کبھی اکیلا نہ کرے، پریشانی کیا ہے کہ آپ کے چہرے سے عیاں ہے۔“ تاج دین بابا نے پوچھا۔

”تاج دین..... تم غلط تھے، تم نے غلط اندازہ لگایا تھا، میں ٹھیک تھا، میرا فیصلہ ٹھیک تھا۔“ وہ ایک دم ہی بولنا شروع ہو گئے۔

”کیا..... کون سا فیصلہ؟“

”جاہت بی بی..... تمہاری جاہت بی بی کا اصل چہرہ دیکھ لیا ہے میں نے۔“ وہ نفرت سے بولے۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ وہ سچ مچ حیران ہوئے۔

”تم مفروضوں پر تھے کہ وہ محبت کرتی ہے، وہ مخلص ہے، وقت نے ثابت کر دیا کہ وہ غلط تھی..... اس کی محبت ایک

شرط سے مشروط تھی، وہ شرط میں نے مسترد کر دی تو وہ انتقامی کارروائی پر اتر آئی۔“ انہوں نے کہا۔

”نہ..... نہ میاں صاحب میرے اندازے کو الزام دے دو، مگر بی بی صاحبہ کی محبت کو الزام نہ دینا..... وہ تو دودھیا

صاف شفاف چاندنی ہیں، اس گھر میں آجائیں تو اجالا کر دیتی ہیں۔“ مان دین بابا نے بڑے جذبے سے کہا۔

”اور نہیں آسکیں تو اس گھر کو مجھے، میری خمار کو، اندھیروں میں ڈبونا چاہتی ہے۔“ وہ دبے دبے لفظوں میں چلائے۔

”کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔“ تاج دین بابا نے معذرتی نظروں سے دیکھا۔
”ایک لڑکے کے ذریعے وہ مجھے بلیک میل کر رہی ہے، اس نے اپنے اور میرے بارے میں اسے بتا دیا ہے۔۔۔۔۔ وہ مجھے دھمکی دے گیا ہے۔“ انہوں نے بتایا۔

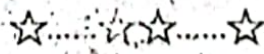
”میاں صاحب! آپ کیا کہہ رہے ہیں میری عقل میں نہیں آ رہا۔ بی بی صاحبہ سے ایسا عناد نہ رکھیں۔“
”اور اس نے جو کیا کہ میری پگڑی زمین پر رکھ دی، میں نے اسے یہ گھر نہیں دیا تو وہ اس حد تک گر گئی۔“ وہ سخت مشتعل تھے۔

”پہلے بھی آپ نے ان کے لیے غلط سوچا، اب بھی غلط ہیں اور محبت کرنے والے راہ سے ہٹ بھی جائیں تو نفرت نہیں کرتے۔۔۔۔۔ میاں صاحب کیسا انتقام؟ بی بی صاحبہ کو اتنا ہی سمجھا آپ نے؟“ تاج دین بابا کالب و لہجہ حیرت اور غم کا غماز تھا۔

”تاج دین! تمہیں چاہت پر اتنا بھروسہ ہے اور میں بکواس کر رہا ہوں۔“ وہ برہم ہوئے۔
”افسوس ہے آپ کو بی بی صاحبہ پر بھروسہ بھی نہیں ہوا، محبت تو دور کی بات ہے۔“ تاج دین بابا نے کافی سنجیدگی سے سچ بول دیا، ظہیر ہمایوں کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

”معافی چاہتا ہوں، میاں صاحب! بی بی صاحبہ پر کیا غصہ ہے اب، اب تو آپ نے راستہ الگ کر لیا ہے۔“
”تاج دین! راستہ چاہت نے بدلا ہے، وہ بھی اس نوجوان کے لیے۔“ وہ گر بجے۔
”نہیں، اپنی پھوپھو کے مرنے کے بعد انہوں نے ایسا کیا۔“

”اس بات کا تو وہ بدلا لے رہی ہے۔۔۔۔۔ مجھے نیچا دکھا کر۔“ وہ بہت طیش میں آ کر بولے۔
”کیسے۔۔۔۔۔ کیوں؟ میاں صاحب آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“ تاج دین بابا نرمی سے بولے۔
”ٹھیک ہے نہ مانو، میں یہ کھلی جنگ لڑوں گا۔۔۔۔۔ میرا شہر میں وقار ہے۔“ وہ فیصلہ کن انداز میں بولے۔
”ٹھنڈے دل سے غور کریں، وہ بی بی تو اب آپ سے تعلق رکھنا ہی نہیں چاہتیں۔“ تاج دین بابا اٹھتے ہوئے بولے تھے۔



فائیو اشار ہوٹل کے کمرے سے نکل کر وہ بالکنی میں کھڑی دور بہت دور تک فضاؤں میں ان لہجوں کو تلاش کر رہی تھی، جن لہجوں میں اسے وہ مہربان نگاہیں میسر آئی تھیں، وہ مضبوط مہکتی پنہاں ملی تھیں، اسے وہ ساتھی ملا تھا جو اس کی کل کائنات بن گیا تھا۔ جس کی محبت کو خوش نما معطر لباس کی مانند اس نے پہن لیا تھا مگر وہ لباس تو ایسا سچ تھا جو اس کے لبوں سے نکلا۔۔۔۔۔ بیدل لباس، زیست بڑا دیدہ زیب تھا۔

اور ہم نے اس لباس کو الٹا پہن لیا۔

”ہنہ! گرمی لگی تو خود سے الگ ہو کے سو گئے! سردی لگی تو خود کو دوبارہ پہن لیا۔“ وہ بڑا کر طنزیہ ہنسی۔۔۔۔۔ اسے ظہیر ہمایوں صاحب کے فون نے اس جہاں میں کچھ دیر کے لیے پہنچایا مگر وہ باہر نکل آئی۔۔۔۔۔ غم و غصے سے ہمکام ہوئی۔
”اور کتنا گرو گے؟ اخلاقیات کی کوئی شکل تو رہنے دو، میں نے تمہیں تمہارے لیے چھوڑ دیا ہے پھر کیوں راکھ میں ہاتھ مار مار کے چنگاریاں ڈھونڈتے ہو، کیا بچا ہے، کیا ڈھونڈتے ہو، کیوں سکون غارت کرنے چلائے؟ اب بھی سمجھتے

ہو کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے..... ہرگز نہیں، کیا چاہتے ہو؟ تجدیدِ وفا کا تو ہر راستہ بند ہے، الزام تراشی کی راہ نئی کھولی ہے، بے کار وقت کھونا کیا۔“ وہ آنکھوں کے نمکین کنارے دائیں ہاتھ کی انگلی کی پور سے صاف کر کے مطمئن ہو گئی۔
 ظہیر ہمایوں کے فون سے پہلے وہ رات کے شو کے لیے کچھ ضروری تیاری کر رہی تھی، فون نے بہت ڈسٹرب کر دیا تھا۔ وہ آنکھیں موند کر بستر پر دراز ہوئی..... ان کے خیال کو اور فضول باتوں کو ذہن سے جھٹکا اسی وقت فون بجنے لگا۔
 ”ہیلو“

”ہیلو میم صاحب..... ہم جگنو۔“ جگنو کی چپکتی آواز آئی۔
 ”جگنو..... اتم یہ نمبر اور تم نے یہاں کا نمبر کیسے.....؟“ وہ حیرت سے ہکلائی۔
 ”ہاں..... وہ..... یہ ہم نے باہر آ کر ملوایا ہے۔“ وہ بری طرح بوکھلایا۔
 ”باہر.....؟“

”ارے ہاں میم صاحب! یہ بتانے کے واسطے کہ وہ بڑے صاحب آئے تھے، بڑے رعب جمار ہے تھے، بہت بولے تو آپ کا نمبر دے دیا، ہم نے اگر فون کریں تو لفٹ نہ کرانا جی اور ہمیں معاف کر دینا۔“ اس نے اعتراف جرم ایسے کیا کہ اسے ہنسی آ گئی۔

”مطلب تم نے میرا نمبر دیا؟“
 ”کیا کرتے جی وہ ڈانٹتے ہیں۔“
 ”اچھا سب ٹھیک ہے ناں؟“
 ”جی..... جی آپ کب آئیں گی؟“ وہ بے قراری سے بولا۔
 ”پرسوں اوکے..... چلو اب فون بند کرو، مجھے کام ہے۔“ چاہت نے کہا اور لائن منقطع کر دی۔

☆.....☆☆☆☆☆

مریم رات کا کھانا تیار کر چکی تھی..... بس آخری لمحات میں سب چیزوں کا جائزہ لے رہی تھی کہ نشید سٹی پر شوخ سی دھن بجاتا ہوا کچن میں آیا۔
 ”خیریت بڑے خوش ہو؟“ مریم نے اچھٹی سی نگاہ ڈال کر پوچھا۔
 ”یہ تو ہے، جب تیر نشانے پر لگ جائے تو اس کامیاب کی خوشی ہی بہت ہوتی ہے۔“ وہ سلا کی پلیٹ سے ٹماٹر اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے بولا۔

”مطلب..... تیر اندازی سیکھ لی ہے۔“
 ”سیکھ بھی لی اور تیر چلا بھی دیا۔“ مریم نے حیرت سے پوچھا۔
 ”بس چلا دیا، اب تو تیر جس کو لگا ہے اس کی حالت جاننے کی بے چینی ہے۔“ وہ بڑی بے قراری کے ساتھ دل پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

”کہیں خمار پر تو نہیں چلا دیا۔“

”خمار تو دلبر ہے۔“

”خوش قسمت ہے۔“ وہ لہجے کی اداسی چھپانے لگی۔

”جیسے جناب! اسرال والے دیوانے ہو کر خد متیں کر رہے ہیں۔“

”شاید.....“

”یار..... خلیب تو مجنوں لگتا ہے۔“

”خیر یہاں کیسے آئے تھے؟“

”میں بہت خوش ہوں، کہیں باہر چلتے ہیں لانگ ڈرائیو پر۔“

”دماغ چل گیا ہے۔ گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں، کھانا لگوا رہی ہوں۔“ مریم نے یاد دلایا۔

”اوہو..... میں تمہیں کھانا لگوانے سے منع نہیں کر رہا۔ ہم باہر سے کچھ کھائیں گے۔“ نشید نے کہا تو وہ حیران ہو کر

بولی۔

”نشید..... یہ کتنی عجیب بات ہے، سب کیا سوچیں گے؟“

”کیوں..... ہم پہلے بھی نہیں گئے؟“

”تب بات اور تھی.....“ اس نے ہاتھ دھوتے ہوئے کہا۔

”اب کیا ہے، ہم کزن ہیں، دوست ہیں۔“

”ہاں جی مگر اس وقت مناسب نہیں۔“ وہ کہہ کر کچن سے باہر نکلی تو وہ لپک کر باہر نکلا اور اس کے سامنے آ کر کھڑا

ہو گیا۔

”مریم..... یار میری خوشی کی خاطر۔“

”مگر.....“

”پلیز..... بس کھانا لگوا کر باہر آ جانا۔“

”نشید..... میں سب کو کیا کہوں گی؟“

”مجھے نہیں پتا، لیکن اگر تم نہ آئیں تو میں پکا کانا راض ہو جاؤں گا۔“ وہ دھونس جماتے ہوئے بولا۔

”نشید..... میری کمزوری پتا ہے اس لیے۔“ اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔

”تم میری خوشی میں ساتھ نہ دو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”ٹھیک ہے اب جاؤ۔ میں کھانا لگوا کر آتی ہوں۔“ مریم کو بلا آ خراس کی بات منانا ہی پڑی۔ وہ اس سے انکار زیادہ

در نہیں کر سکتی تھی۔

☆.....☆☆.....☆

کھانے کے بعد خمار تو اپنے کمرے میں چلی گئی لیکن بیمار وہاں سے اٹھ کر فی وی لاؤنج میں آ گئی..... فی وی آن کیا،

ریسٹ سے چینلو بدلتے ہوئے بے زار ہو کر فی وی بند کیا، ریسٹ صوفے پر اچھال کر صوفے کی پشت سے سر لگا کر

بیٹھ گئی..... تاج دین بابا کا اس طرف سے گزر ہوا تو اس کے پاس آ گئے۔

”کہا تو ہے کہ میں خود اس کے پاس جاؤں گا۔“ وہ بولے تو وہ چونکی۔

”آپ نے کیا سمجھا؟“

”بات کرنی ہے؟“

”میں یہ تو نہیں سوچ رہی تھی۔“

”پھر اور کیا؟“

”بابا کیوں ڈسٹرب ہیں؟“

”کہاں ڈسٹرب ہیں؟“ وہ انجان بن گئے۔

”آپ کو بابا کی پہچان نہیں رہی کیا؟“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”تاج بابا، بابا بالکل بدل گئے ہیں..... نہ ہنستے ہیں، نہ بولتے ہیں، پہلے ہر شام کہیں سیر و تفریح کے لیے جاتے تھے، اب کہیں نہیں جاتے، کھانا بھی کمرے میں کھاتے ہیں، وہ واقعہ تو اب پرانا ہو گیا پھر بھی بابا نہیں بھولے۔“

”بیٹا..... خود کو الزام مت دو، کوئی کاروباری مسئلہ ہوگا..... میں دودھ لے کر کمرے میں جاؤں گا تو انہیں بتاؤں گا کہ ہماری بہار بیٹیا بہت پریشان ہے۔“ وہ بولے۔

”میں خود دودھ لے کر جاتی ہوں۔“ وہ ایک دم کھڑی ہوئی۔

”ارے نہیں ابھی صبر کرو۔“

”تاج بابا..... میں بابا کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”وہ کچھ بتاتے بھی تو نہیں۔“

”یقیناً کوئی اچھن ہے۔“

”اچھا میں پوچھوں گا۔“

”مجھے فکر ہے کہ بابا بیمار نہ ہو جائیں۔“ بہار واقعی متفکر تھی۔

”میں ملازم ہوں گھر کا، زیادہ اصرار تو نہیں کر سکتا، فکر مجھے بھی ان کی صحت کی طرف سے ہے۔“

”آپ نوکر تو نہیں ہیں آپ تو اچھے سے تاج بابا ہیں۔“ بہار نے بڑی محبت سے کہا تو وہ خوش ہو گئے۔

”میں، میاں صاحب اور آپ دونوں کی وجہ سے یہاں ہوں۔“ وہ خوش ہو کر بولے۔

”اور تاج بابا..... آپ مجھے تمثال کے پاس لے جائیں۔“

”ہاں..... ہاں چلیں گے۔“ وہ بولے۔

”کل چلیں، شام میں؟“

”ٹھیک ہے۔“

”کہاں جانا ہے؟“ عین اس لمحے ظہیر ہمایوں صاحب نے وہاں آ کر پوچھا، بہار بوکھلائی۔

”وہ بیٹا کو کچھ خریدنا ہے تو میں نے کہا کل لے جاؤں گا۔“ تاج وین بابا نے بات سنبھالی۔

”کیا خریدنا ہے؟“

”وہ بابا پرانی انارکلی سے کچھ چیزیں خریدنی ہیں۔“ بہار نے جلدی سے کہا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے اتنے تنگ اور بھیڑ بھاڑ والے بازار میں جانے کی۔“ انہوں نے نرمی سے کہا۔

”ٹھیک ہے کہیں اور چلے جائیں گے؟“ تاج بابا نے جلدی سے کہا۔

”آپ نماز کی ساتھ آفس جانا شروع کر دو۔“

”مگر آگے پڑھنے کے لیے.....“

”وہ میں پتا کر رہا ہوں، باہر جا کر پڑھنا۔“ وہ بولے۔

”آپ بات کریں، مجھے کام ہے۔“ وہ بہانہ بنا کر وہاں سے اٹھ گئی۔

☆.....☆.....☆

نوج رہے تھے، گیٹ سے لے کر، لان اور کوریڈور کی اینٹیں۔ گاڑی اندر داخل ہوئی تو مریم کی پہلی نظر لان

میں موجود شکیب پر بڑی..... وہ ٹہل رہا تھا، الجھا الجھا، سگریٹ کے کش لے کر دھواں بڑی شدت سے فضا میں چھوڑ رہا تھا۔ وہ گاڑی سے اتر کر تذبذب کا شکار ہوئی کہ شکیب کے پاس جائے یا کئی کتر اکرا ندر چلی جائے..... یہ مشکل نشید نے حل کر دی یہ کہہ کر۔

”جاؤ اپنے ہیرو کا حال احوال لو، ورنہ وہ رات بھر یہیں ٹہلنا رہے گا۔“ نشید کہہ کر اندر چلا گیا..... وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھا کر لان میں آئی، شکیب نے دھوئیں کے ہالے سے اسے دیکھا۔
 ”آپ سگریٹ نوشی کرتے ہیں؟“ مریم نے کافی ناگواری سے پوچھا۔
 ”ٹینشن اور غصے کی حالت میں پیتا ہوں سگریٹ۔“ وہ جھجھکیے میں کہہ کر ذرا دور ہوا۔
 ”یہ تو پہلے نہیں بتایا۔“

”ایسا بتانے کا آج پسلا موقع ہے۔“ اس کا لہجہ بدستور تلخی لیے ہوئے تھا۔
 ”مجھے سگریٹ نوشی بالکل پسند نہیں۔“ مریم کا لہجہ سخت ہوا۔
 ”آپ کو تو شاید میں بھی پسند نہیں۔“ اس نے آخری کش لے کر دھواں اڑایا اور آخری حصہ سگریٹ کا زمین پر گرا کر پیر سے مسل دیا۔

”یہ کس نے کہا؟“
 ”آپ نے، ورنہ آپ یوں میرے پاٹے کے لیے نہ جانتیں..... ہم یہاں لاہور میں شادی کی شاپنگ کے لیے آئے ہیں اور آپ یوں کھانا چھوڑ کر نشید کے ساتھ چلی گئیں۔“ اس بار اس کی آواز قدرے اونچی ہوئی تھی۔
 ”تو..... نشید کون ہے؟ میرا فٹ کزن، میرا دوست.....“ مریم کو بھی غصا آ گیا۔
 ”تو..... اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے لیے مجھ سے زیادہ اہم ہے؟“ اس نے پوچھا۔
 ”ہاں..... وہ تو ہے مگر غیر اہم آپ بھی نہیں ہیں۔“ اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
 ”اتنا اہم ہوں کہ آپ ہمیں کھانے کی میز تک پہنچا کر چلی گئیں۔ ہمیں آفر کر سکتی تھیں، کم از کم مجھے..... میں اتنا اہم ہوں۔“ وہ طنز یہ مسکرایا۔

”آپ اس طرح بھی سوچتے ہیں، اس سے مجھے یہ اندازہ ضرور ہو گیا ہے کہ میں آپ کے لیے کتنی اہم ہوں۔“
 ”ویسے میں پوچھ سکتا ہوں کہ ایسا کیا کام تھا؟“

”نشید کو کمپنی چاہیے تھی۔“

”واہ..... اچھی بات۔“

”شکیب..... آپ کے سوالات ختم ہو گئے ہوں تو میں جاؤں، مجھے ابی کو میڈیسن دینی ہیں۔“ وہ بے زاری سے بولی۔

”جی ضرور۔“

”آپ نے غلط سوچا آپ کے علم کے لیے کہہ رہی ہوں کہ نشید اور میں بچپن کے ساتھی اور دوست بھی ہیں۔“ وہ رک کر بولی۔

”اور.....“ اس نے پوچھا۔

”کیا مطلب؟“

”کچھ نہیں..... پلیز جائیے۔“

”آپ بھی آرام کریں اب۔“

”میں بہت آرام میں ہوں، گڈ نائٹ۔“ وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا اور وہ کندھے اچکا کر لان سے باہر آگئی مگر قدرے الجھن اور اضطراب کے ساتھ..... ٹھیک کے اس رویے کو کیا سمجھے؟ ناراضی یا نشید پر شک..... یہ خیال اس کے ذہن میں گھر کر گیا تھا۔

☆.....☆☆☆.....☆

گزشتہ دو دن سے ظہیر ہمایوں صاحب ایک بزنس میٹنگ میں شرکت کے لیے کراچی گئے ہوئے تھے، رات دن شدید نوعیت کی مصروفیت تھی ایسے میں انہیں عارضی طور پر یہ بات بھول گئی کہ لاہور میں ایک الجھن کا نام نشید کمال ہے..... کافی ذہنی آسودگی محسوس کر رہے تھے مگر انہیں یہ بھی اندازہ تھا کہ جب جائیں گے تو وہ ضرور آئے گا۔ پہلے اس کے آنے پر وہ خوف زدہ نہیں ہوئے تھے، اب خوف گھیر لیا تھا کہ اس کو کیا کہنا ہے، کس طرح اس سے جان چھڑائی ہے؟ وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ہمارا کافون آ گیا۔

”جی بیٹا جان۔“ خلاف توقع وہ کافی سکون سے بولے، ہمارا کوا چھا لگا۔

”بابا..... ماشاء اللہ آپ فریش لگ رہے ہیں..... تبدیلی نے اچھا اثر کیا ہے مزید وہیں رہ لیں۔“

”اگرے نہیں بیٹا..... میں کل صبح کی فلائٹ سے آ رہا ہوں۔“

”چلیں ٹھیک ہے آپ نے کوئی شاپنگ کر لینی تھی۔“ ہمارے نے کہا۔

”شاپنگ کا وقت نہیں تھا میرے پاس میٹنگز چلتی رہیں۔“ انہوں نے بتایا۔

”بس کام ہی کرتے رہے۔“

”بہار کیسی ہے، تاج دین اور سب.....“

”سب ٹھیک ہیں، بہار تاج دین بابا کے ساتھ مال گئی ہے بس آتی ہوگی۔“ ہمارے نے کہا تو وہ پریشان ہو گئے۔

”کہاں..... کیوں چلی گئی منع کرنا تھا۔“

”کیا ہو گیا بابا؟ تاج بابا کے ساتھ گئی ہے، مجھے کہہ رہی تھی ساتھ چلنے کو مگر میں مصروف تھی۔“

”اچھا ٹھیک ہے، آفس میں سب ٹھیک ہے؟“

”جی بابا..... وہ پاگل آج آیا تھا..... آپ کے پی او ان نے بھگادیا۔“ ہمارے نے کہا۔

”کون..... کون؟“ وہ تیزی سے بولے۔

”وہی فلمی ہیرو، آپ کا پوچھا آفس لاک تھا پی او ان نے کہہ کر بھیج دیا۔“

”آپ کے پاس تو نہیں آیا؟“

”نہیں..... لیکن وہ آپ کے پاس کیوں آنے لگا ہے؟ اس کی اتنی جرأت۔“ ہمارے نے کہا تو وہ ہچکچاہٹ سے بولے۔

”اور تو خیر کوئی وجہ نہیں، بس آپ کے لیے آتا ہے۔“

”میں اس کی ماں سے بات کروں؟“

”اگرے نہیں..... نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ میں خود دیکھ لوں گا۔“ وہ جلدی سے بولے۔

”ٹھیک ہے اپنا خیال رکھیے گا۔“

”اوکے..... اللہ حافظ۔“ وہ بولے۔

”اللہ حافظ۔“ اس نے بھی جواباً کہا اور فون بند کر دیا۔

بہار اور تاج بابا اب تک نہیں آئے تھے۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگی..... اسے بابا سے جھوٹ بولنا پڑا تھا، حالانکہ وہ جانتی تھی کہ بہار اسے بتا کر تاج بابا کے ہمراہ شمال سے ملنے گئی ہے۔

☆.....☆☆☆☆☆

تمثال آفس کی مصروفیت کے سبب ڈیوٹی ٹائم کے ختم ہونے کے باوجود گھر نہیں آیا تھا..... تین گھنٹے سے زیادہ ہو گئے تھے، وہ باہر گاڑی میں بیٹھی انتظار کر رہی تھی پھر تاج دین بابا نے سمجھا بجھا کر راضی کیا اور تمثال کے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ تمثال کے بابا باہر آئے اور بہت اصرار کرنے کے ان دونوں کو اندر لے آئے۔ نور جہاں بیگم انہیں دیکھ کر محسن سے اندر کمرے میں چلی گئیں، ان کے چہرے پر آئی بے زاری نے بہار کو اچھے سے سمجھا دیا کہ وہ ناگواری سے اٹھ کر اندر گئی ہیں۔ سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔ کلیم مرزا خفت سے بولے۔

”تمثال کی اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے..... آپ محسوس نہ کرنا۔“

”کوئی بات نہیں..... بس تمثال کا پتا کر دیں۔“ بہار نے متانت سے کہا۔

”بس آتا ہی ہوگا۔“ کلیم مرزا نے رسٹ وائچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

”آپ سے گزارش کرنی ہے کہ آپ تمثال بیٹے کو سمجھائیں۔“ تاج دین بابا بولے۔

”سمجھانا تو اب بہار بیٹی کو ہوگا لیکن کیا ممکن ہے بعد بھی گنجائش ہے؟“ کلیم مرزا نے پوچھا۔

”جناب..... ممکن تو ہوتی نہیں، یہ بات شاید آپ کے نوٹس میں نہیں۔“

”کیا مطلب؟“ کلیم مرزا چونکے۔

”بس رشتہ ختم ہو گیا تھا..... ممکن سے پہلے ہی۔“ بہار نے کہا۔

”کیوں.....؟“

”کیوں کی وجہ نہ پوچھیں۔“

”بس جی..... غلط فہمیاں ہو جائیں تو سب ختم ہو جاتا ہے۔“

”ہمیں گیٹ سے لوٹانے والوں میں آپ بھی تھے۔“ کلیم مرزا نے تاج دین بابا کو مخاطب کیا تو وہ شرمندگی سے

نظریں جھکا کر زمین گھورنے لگے۔

”تاج بابا نے بابا کے کہنے پر کیا ہوگا۔“ بہار نے چونک کر دیکھنے کے بعد تاج بابا کی عزت بچائی۔

”اور اب آپ کے بابا کی مرضی سے آپ کو یہاں لائے ہیں۔“ کلیم مرزا نے پوچھا۔

”نہیں..... میاں صاحب تو کراچی گئے ہوئے ہیں۔“ تاج دین بابا نے جواب دیا۔

”وہ تو راضی نہیں ہیں نا۔“

”ابا..... راضی ہو جائیں گے اعتبار رکھیں۔“ بہار نے کہا۔

”خیر..... میں آپ کے لیے چائے بناتا ہوں۔“ کلیم مرزا بولے۔

”نہیں..... نہیں، اس کی ضرورت نہیں، بس آپ ہمارے پاس بیٹھیں۔“ بہار نے جلدی سے کہا۔

”ہمیں اپنے بچوں کی خاطر سوچنا ہے، کوشش تو کر سکتے ہیں نا۔“ تاج دین بابا نے بڑی شائستگی سے دھیرے

دھیرے کہا۔

”ہاں..... یہ تو ہے۔“

”ابا..... پلیز تمثال کو فون کریں۔“

”اچھا.....“ انہوں نے کہا اور تمثال کا اپنے سیل فون سے نمبر ملایا مگر فون پاور آف تھا۔
 ”اس کا فون بند ہے جانے کیوں؟“ کلیم مرزا کچھ فکر مندی سے بولے۔

”ابا..... اس کا آفس..... آفس چلیں۔“ بہار بے تاب ہو کر بولی۔
 ”اللہ خیر کرے، کوئی وجہ ہوگئی ہوگی۔ آفس میں کام زیادہ ہو تو کبھی دیر سے بھی گھر آتا ہے۔“ تب ہی دروازہ کھلا اور
 تمثال اندر داخل ہوا۔ بہار اسے دیکھ کر خوش ہوئی پر وہ ان کی طرف ایک سرسری نگاہ ڈالتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا.....
 نہ سلام، نہ دعا۔ کلیم مرزا نے بہار کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ بہار بجلی کی طرح اس کے پیچھے کمرے میں پہنچی۔
 ”بہار..... میرے گھر میں ڈراما نہ کرو۔ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی لہذا ابرائے مہربانی ابھی اور اسی وقت میرے
 کمرے سے چلی جاؤ۔“ وہ پیٹھ موڑے موڑے بولا۔

”کیا مطلب.....؟ اتنی نفرت۔“ بہار کو یہ سب خلاف توقع لگا۔

”بس تم جو کچھ سمجھو مگر یہاں سے جاؤ۔“

”ایسا کچھ نہیں ہوا، پلیز میری بات سنو، منگنی نہیں ہوئی۔“ بہار نے سامنے کرتیزی سے کہا۔ وہ چونکا اور کافی حیرت
 سے اسے دیکھنے لگا۔

”تمثال..... سچ کہہ رہی ہوں منگنی نہیں ہوئی۔ فٹکشن والے دن رشتہ ختم ہو گیا تھا۔“ بہار نے کہا۔
 ”ایک رشتہ ختم کر کے، دوسرا جوڑنے جا رہی تھیں..... وہ ختم ہو گیا تو پرانا رشتہ یاد آ گیا..... یاد کرو، نئے رشتے کے
 لیے میرے والدین کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟“ وہ مد مقابل آ کر بولا۔
 ”تمثال..... میں نے کبھی تمہیں بھلایا ہی نہیں..... بابا کی ضد پر منگنی ہو رہی تھی۔ خمار نے سمجھایا تھا کہ منگنیاں ختم
 ہو جاتی ہیں۔ تمہارے اماں، ابا کو تو میں نے خود بلایا تھا..... چاہ نہیں کیا ہوا کس نے کیا کہا انہیں..... میرا اعتبار کرو۔“ وہ
 رقت آمیز لہجے میں بولی۔

”پلیز..... اعتبار کا لفظ امتعال کرو۔“ وہ طیش کے عالم میں بولا۔

”میں مر جاؤں گی تمثال۔“ وہ زار و قطار رونے لگی۔

”تمنا نہ کرو، باپ کے کہنے پر منگنی کر رہی تھیں تو کیا اب باپ کی مرضی سے میرے پاس آئی ہو؟“ اس نے پوچھا۔
 ”نہیں..... مگر وہ راضی ہو جائیں گے۔“

”اور میرے والدین سے معافی مانگ سکیں گے؟“

”اگر انہوں نے ایسا کیا ہے تو.....“ وہ اٹک اٹک کر بولی۔

”ہا ہا.....“ وہ ہنسا اور بولا۔ ”بھول ہے تمہاری۔“

”تمثال..... تم پہلے جیسے ہو جاؤ، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”معافی کے بعد سوچا جاسکتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“

”ٹھیک ہے پھر اسی طرح موٹر سائیکل پر تمہارے گھر کے چکر لگالوں گا..... تمہارے بابا کے صبر کا امتحان سہی۔“ وہ

طنز یہ بولا۔

”شرط ہے؟“

”نہیں، اصول ہے۔ مجھے والدین سے بڑھ کر تم سے بھی محبت نہیں۔“

”ایسا ہے محبت نہیں۔“ وہ روتے ہوئے بولی۔
 ”اپنے والدین سے بڑھ کر نہیں۔“ اس نے فقرہ دہرایا۔
 ”اچھا..... مجھے معاف کرو۔“

”کردیا، سیدھا سیدھا اصول بتا دیا..... پہلے معافی اور پھر واپسی۔“
 ”مگر.....“

”جاؤ تماشا نہ بناؤ باہر بزرگ بیٹھے ہیں۔“ وہ بولا تو وہ آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی۔
 ”اور فون.....“

”فون بھی اسی وقت ہوگا جب معافی ہو جائے گی۔“ وہ بولا تو وہ کمرے سے باہر نکل آئی، تاج دین بابا اور کلیم مرزا صاحب نے اس کی بھیگی آنکھیں واضح طور پر دیکھی تھیں۔

☆.....☆☆.....☆

فصیل جاں کے قیدی ہیں، مگر دھیان رکھا ہے
 ہوا کے واسطے ہم نے، درامکاں رکھا ہے
 سجا سکتے تھے دل میں گوئی چہرے کئی پیکر
 مگر کچھ سوچ کر ہم نے، یہ گھر ویران رکھا ہے
 ہمیں شوقِ اذیت ہے مگر ناس زمانے میں
 تمہاری رنجِ یادوں.....

”آپ اپنی دنیا میں مگن رہیں، تسلیاں دیتی رہیں مجھے۔“ وہ کاغذ قلم کے ساتھ اپنی نخیل کو اتارنے میں منہمک تھی کہ
 بہار نے شدید رقت آمیز لہجے میں کہتے ہوئے اس کا نخیل پارہ پارہ کر دیا..... وہ ایسے کمرے میں آئی کہ خمار کا دل کانپ
 اٹھا، اٹھ کر اسے سینے سے لگایا۔

”کیا..... کیا ہوا میری جان؟“

”چھوڑیں مجھے، مت تسلیاں دیں۔“ وہ مزاحمت کے ساتھ الگ ہوئی۔

”کیا ہوا..... کیا کہا تمثال نے؟“

”تاج دین بابا نے بابا کے کہنے پر تمثال کے بابا ماں کو نہ لاکھا..... کتنے دکھ کی بات ہے۔“

”کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“ تمثال نے کہا۔ خمار بوکھلا سی گئی۔

”ہمیں تمثال کے بابا نے کہا، تاج بابا چپ ہو گئے۔“

”ایسا نہیں ہو سکتا، تاج بابا تو بات سنجانے والے ہیں، یقیناً انہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”کچھ بھی ہوا، تمثال نے تو کہہ دیا ناں کہ بابا اس کے اماں ابا سے معافی مانگیں گے تو وہ مجھے معاف کرے گا اور بابا

ایسا کبھی کریں گے نہیں۔“

”میں تمثال سے بات کروں گی اسے احساسِ بلاؤں گی..... تم فکر نہ کرو۔“ اس نے حوصلہ دیا تو وہ خاموش ہو گئی۔

”یہ محبت اسی لیے مجھے مل گئی ہے کہ پاگل کر دیتی ہے۔“ خمار نے کہا۔

”یہ سب بابا کا اور تاج بابا کا کیا دھرا ہے؟“ وہ بولی۔

”ایسے نہیں سوچتے، سب ٹھیک ہو جائے گا..... اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جو ہر معاملہ اس کی رضا پر چھوڑ دیتے

ہیں۔“ خمار نے پیار سے اس کے بال سنوارے۔
 ”میں نہ باہر پڑھنے جاؤں گی، نہ کسی اور کے ساتھ رشتہ ہونے دوں گی، یہ بات بابا کو سمجھا دینا۔“ بہار بھی اس بار اپنی
 ضد پر آگئی تھی۔

”اچھا ٹھیک ہے، پہلے تمثال سے معاملات تو ٹھیک ہونے دو، صبر سے کام لو۔“ خمار نے کہا۔
 ”اُسے کل ہی بلا کر بات کرو۔“
 ”اوکے..... کل کسی مناسب وقت میں بلاتی ہوں۔ صبح بابا بھی آرہے ہیں، وہ آفس ضرور پہنچیں گے۔“
 ”مجھے نہیں پتا، مجھے تمثال پہلے جیسا چاہیے۔“
 ”تمثال کھلونا ہے کیا؟ چاہیے۔“ خمار نے فیس کر اس کی نقل اتاری۔

”میں نے بتا دیا ہے۔“
 ”اچھا..... بھوک لگی ہے کھانا کھاتے ہیں۔“ خمار نے اس کا موڈ بدلنے کے لیے بات بدلی۔ بہار نے اثبات میں
 گردن ہلائی۔

☆.....☆☆☆.....☆

رات تو مریم سوچ بچار کے ساتھ کچن سمٹوا کر، ابی کو گرم دودھ اور دو تھیلے دے کر اپنے کمرے میں سونے چلی گئی تھی۔
 خلیب کا اصل رد عمل صبح ناشتے کی میز پر دکھائی دیا..... جب سب کے بلانے پر بھی وہ ناشتے کے لیے نہیں آیا۔ فردوسی آپا
 سب کے بلانے کے بعد آخر خود اس کے پاس پہنچیں تو وہ کپڑے پیک کر رہا تھا۔ انہیں تعجب ہوا۔
 ”ہیں.....! تم تو بھلے چنگے ہو، میں تو خیریت پوچھنے آئی تھی کہ کیا ہوا ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”کیا ہوتا ہے؟ آپ نے ناشتہ کر لیا ہے تو تیار ہو جائیں۔“
 ”کیا مطلب..... اور تم ناشتے کے لیے کیوں نہیں آئے؟ سب انتظار کر رہے ہیں۔“
 ”ویسا ہی انتظار جو رات کو سب مریم اور نشید کا کر رہے تھے۔“ وہ طنز یہ بولا۔

”خلیب.....!“

”جی دادو۔“

”کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں، بس ہم ابھی واپس جا رہے ہیں۔“ وہ مختصر آبول۔

”ابھی تو ساری شاپنگ کرنا باقی ہے۔“

”دیکھا جائے گا، ابھی شاپنگ فوری ضرورت نہیں ہے۔“

”کیا اول فول بک رہے ہو؟ ارے دن ہی کتنے بچے ہیں؟“ فردوسی آپا نے غصے سے کہا۔

”اسلام آباد میں سب کچھ ملتا ہے۔“ وہ بولا۔

”مسئلہ کیا ہے؟“

”دادو..... پلیز آپ چلیں اس مسئلے پھر بات کر لیں گے۔“

”ایسے کیسے..... باہر سب ناشتے کے لیے بیٹھے ہیں، چلو باہر، یہ میرا حکم ہے۔“ فردوسی آپا کو شدید غصہ آ گیا۔

”اوکے..... آپ کریں ناشتہ، مجھے بھوک نہیں ہے۔“ وہ بسر پر دندھے منہ کر گیا۔

”خلیب..... یہ بدتمیزی ہے اٹھو۔“ فردوسی آپا نے ڈپٹ کر کہا تو اسے منہ بناتے ہوئے اٹھنا پڑا۔

”آپ نے دیکھا تھا رات کھانے کی میز پر ہمیں چھوڑ کر وہ سیر پائے کے لیے گئے تھے۔“ بلا خردل میں پکٹا لاوا پھوٹ نکلا۔

”اوہو..... اتنی چھوٹی سی بات پر منہ بنا رکھا ہے۔“

”یہ چھوٹی بات نہیں ہے۔“

”اچھا اب چلو ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“ فردوسی آپا نے حکم دیا۔ ”کہا اور آگے آگے چل دیں، اسے بھی نہ چاہتے ہوئے ان کے ساتھ آنا پڑا۔“

جب ڈاننگ ٹیبل کے پاس پہنچے تو سب نے ہی ٹوٹس کیا کہ کوئی وجہ ہے، مریم اور نشید کو تو فوراً اندازہ ہو گیا..... البتہ جمال صاحب اور بیگم ذکیہ کمال کچھ متفکر دکھائی دیئے۔

”بیٹا..... طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ جمال صاحب نے پوچھا۔

”جی۔“ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

”یار..... ہمیں بتا ہوتا کہ آپ ایسے فیل کرو گے تو ہم آپ کو ساتھ لے جاتے۔“ نشید نے شرارتا اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا، مریم نے گھور کر نشید کو دیکھا۔

”بات ایٹی کیٹس کی ہوتی ہے۔“ خلیب نے کہا۔

”بات کیا ہے؟“ بیگم ذکیہ کمال کو کچھ الجھن سی ہوئی۔

”ہم..... میرا مطلب میں اور مریم رات باہر گئے تھے، اس پر موصوف کا موڈ آف ہے۔“ نشید نے بتایا۔

”تو صحیح کہہ رہا ہے خلیب، آپ اسے بھی ساتھ لے جاتے۔“ بیگم ذکیہ کمال نے خلیب کی حمایت کی۔

”چلو کوئی بات نہیں، یہ اتنی بڑی بات نہیں۔“ فردوسی آپا نے مصلحت پسندی کے باعث سرسری سے انداز میں کہا۔

☆.....☆.....☆

بظاہر تو بات آئی گئی ہو گئی تھی..... خلیب کا موڈ بحال ہو گیا تھا مگر جمال صاحب نے مریم کو کمرے میں بلا کر بات کی نزاکت کا احساس دلایا۔

”خلیب کی بات غلط بھی نہیں ہے، وہ مہمان ہے اور آپ کا منگیتر بھی ہے، یہاں آپ کے لیے آیا ہے..... آپ دونوں نے ایسے نظر انداز کیا یہ کوئی اچھی بات نہیں۔“ جمال صاحب نے آہستہ سے کہا۔

”سوری ابی..... نشید جب ٹھان لے تو ماننا ہی نہیں۔“ مریم نے کہا۔

”آپ کو سمجھانا چاہیے تھا۔“

”وہ ضدی ہے۔“

”آپ مجھے بتاتیں تو میں سمجھاتا۔“ وہ بولے۔

”ابی..... اب اتنی بڑی بات بھی نہیں..... مجھے تو خلیب کی یہ عادت بالکل اچھی نہیں لگی۔“

”کون سی عادت؟“

”وہ سیدھا سیدھا شک کر رہے ہیں۔“

”منگیتر ہے تمہارا، تم نے اسے نظر انداز کیا، شک تو پیدا ہوتا ہے۔“

”انہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ میرا اور نشید کا کتنا مضبوط رشتہ ہے..... ہم دوست ہیں، کزنز ہیں۔“

”سب باتیں درست ہیں بیٹا مگر اب آپ کو کچھ سمجھداری سے کام لینا ہے۔ خلیب کی موجودگی میں صرف اس کو

اہمیت دینی ہے۔“ جمال صاحب نے تاکید والے انداز میں کہا۔
 ”کیا مطلب؟“ اس کی آنکھیں بھرائیں۔
 ”مطلب..... کچھ اسے اہمیت دے دی۔“ جمال صاحب فوراً مسکرائے۔
 ”ابلی..... نشید کیا ہے؟ میرے لیے پیپ جانتے ہیں۔“
 ”مخفی لڑکی! وہ اتنا ہی کسی اور کا ہے..... یہ بات ابھی تک آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آئی؟“ جمال صاحب نے بڑی گہری بات کی۔
 ”لیکن ابلی..... میں شکیب کی تنگ نظری سے پریشان ہوں، یہ اتنی بڑی بات نہیں تھی۔“ مریم نے اپنے اندر کے خوف کا اظہار کیا۔
 ”یہ وقتی کیفیت ہے بس اس نے کم مائیگی کا اظہار کیا ہے، ورنہ ہنس مکھ سلجھا ہوا نوجوان ہے۔“
 ”بس یا اور بھی کچھ کہنا ہے؟“ مریم نے بے زاری سے پوچھا۔
 ”تیار ہو جاؤ صرف تم اور شکیب شاپنگ کے لیے جارہے ہو۔“ وہ بولے۔
 ”مگر.....“
 ”تیار ہو کر شکیب کے ساتھ جاؤ، ہو سکتا ہے فردوسی آپا ساتھ چلی جائیں۔“ انہوں نے کہا۔
 ”ٹھیک ہے۔“ وہ کہہ کر مڑنے والی تھی کہ انہوں نے پیار سے رکارا۔
 ”ابلی کی جان۔“ وہ پلٹ کر ان سے پلٹ گئی۔
 ”دیوار میں شپ لگانے کے بعد کریدتے نہیں، کریدنے سے مسالہ گر جاتا ہے، درز پھر سے کھلی رہ جاتی ہے۔“ اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے انہوں نے دھیرے سے بڑی گہری بات کی، اس کی آنکھوں کے گوشے نم تھے، مسکرا کر کمرے سے باہر آ گئی تھی۔

☆.....☆☆.....☆

خمار نے آفس جاتے ہوئے تمثال کو فون کر کے اپنے آفس آنے کا کہا تو وہ تھوڑے سے انکار کے بعد دس بجے آفس آنے پر رضامند ہو گیا تھا۔ خمار نے وال کلاک پر نظر ڈالی پونے دس ہو رہے تھے۔ اسی اثنا میں ظہیر ہمایوں صاحب نے اپنے گھر پہنچنے کی اطلاع دی، اس نے انہیں آرام کرنے پر راضی کیا اور شکر کا سانس لیا..... اب وہ آرام سے تمثال سے بات کر سکتی تھی۔ دس بجے اس نے تمام دفتری کام کچھ دیر کے لیے روکنے کا پیغام پی اے کو دیا تھا۔ تمثال وقت کا پابند تھا، پورے دس بجے پہنچ گیا۔ خمار نے تپاک سے اسے خوش آمدید کہا، عزت سے بٹھایا۔

”کیسے ہو؟“

”جی الحمد للہ۔“

”ہلے یہ بتاؤ کہ چائے یا کافی۔“

”کسی چیز کی طلب نہیں۔“ وہ متانت سے بولا۔

”کچھ تو ضروری ہے..... میرا خیال ہے چائے اور سینڈوچز۔“

”صرف چائے..... میں ناشتے میں اپنی اماں کے ہاتھ کا پرائٹا اور آملیٹ کھانا ہوں۔“ تمثال نے خوش دلی سے

بتایا۔

”واہ..... بہار کی اور آپ کی پسند ایک سی ہے۔“ خمار نے کہا۔ ”ماتھ ہی انٹر کام پر چائے کا کہا۔“

”خدا آپی جو کہنا ہے جلدی پلیز میں آفس سے صرف ایک گھنٹے کا آف لے کر آیا ہوں۔“ وہ بولا۔
 ”تمثال..... آپی کہا ہے تو آپی سمجھ کر غفور گزر سے کام بھی لینا۔“ اس نے تمہید باندھی۔
 ”جی ضرور..... لیکن ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟“ وہ کچھ چونکا۔

”تمثال..... میرے بابا کی اپنی سوچ ہے، انہوں نے ہمیں بڑی محبت سے پالا ہے، اپنا سب کچھ ہم پر قربان کر دیا، ہمارے لیے ان کی سوچ مختلف ہے۔ ہم بابا کی قربانیوں اور محبتوں کا صلہ انہیں تکلیف دے کر نہیں دینا چاہتے، محض اتفاق ہے کہ انہیں آپ پر اعتراض تھا اور شاید ہو بھی۔“ وہ بولتے ہوئے رکی۔
 ”محبت کے دشمن سرمایہ دار ہیں، کوئی نئی بات نہیں۔“ تمثال نے غلڑا لگایا۔
 ”نہیں وہ سرمایہ دار بن کر نہیں سوچتے، بس ہمیں لے کر جانے کیا دیکھنا چاہتے ہیں، ان کے خیال میں محبت بے کار لوگوں کا عمل ہے۔“

”وہ ایسا کیوں سوچتے ہیں؟ کیا غریب محبت نہیں کر سکتا۔“ وہ طنز یہ بولا۔
 ”نہیں..... میں ثبوت پیش کر سکتی ہوں کہ بہت امیر کی محبت بھی انہیں قبول نہیں ہوئی۔“ اس نے نشید کو ذہن میں لاتے ہوئے کہا۔
 ”کون؟“

”چھوڑو، بابا نے اپنے مہمان آئے دوست سے بہار کی شادی پلان کی، پہلے مگنی کا فیصلہ ہوا، بہار ڈٹ گئی، گھر کا ماحول خراب ہونے سے بچانے کے لیے میں نے اسے مگنی کے لیے راضی کیا مگر وہ شہرل سے اچھا رویہ نہ رکھ سکی تو وہ عین مگنی والے دن رشتہ ختم کر کے چلا گیا۔“
 ”تو بہار راضی تھی ناں۔“

”نہیں..... میں نے کہا تھا کہ وقتی طور پر کر لو، بعد میں ہم مگنی ختم کر دیں گے۔“
 ”آپ مجھے یہ سب کیوں بتا رہی ہیں؟“

”سنئے جاؤ..... آپ کے والدین بہار کی مرضی سے آئے تھے لیکن اس دن اگر وہ بابا سے ملتے تو قیامت آ جاتی..... اس لیے میں نے انہیں گیٹ سے واپس بھیج دیا تھا۔“ خمار نے ندامت سے آئے پیشانی کے پسینے کو صاف کیا۔
 ”آپ نے.....؟“ وہ حیرت سے بولا۔

”ہاں..... تاکہ بد مزگی نہ ہو، پھر آپ نے بہار کو قصور وار سمجھا..... معصوم اور بے قصور ہے..... آپ سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔“

”خدا آپی..... آپ سب کچھ مجھے تو بتاتیں..... میں اماں ابا کو نہ بھیجتا، یہ سب ان کی انسلٹ کی وجہ سے ہوا۔“
 ”مجھے معاف کر دو اور بھروسہ کر دو کہ میں آپ دونوں کو ملانے کی کوشش کروں گی۔“ خمار نے عاجزی سے کہا۔
 ”آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔“

”میں نے سب کچھ ٹھیک کرنے کے لیے سب غلط کیا۔“

”چلیں چھوڑیں..... اب میں کیا کر سکتا ہوں یہ بتائیے۔“ وہ ادب سے بولا۔

”وعدہ کر دو کہ بہار کو نہیں بتاؤ گے کہ سب میں نے کیا..... اسے پتا نہ لگے اور اس سے سب معاملات ٹھیک کر لو۔“
 خمار نے مسکرا کر کہا اسی دوران چائے بھی آ گئی تھی اس کی طرف اشارہ کیا۔
 ”جآپ کا حکم۔“ اس نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

”شکریہ..... میں ہر ممکن آپ دونوں کے ساتھ ہوں۔“

”شکریہ۔“

”اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آسانی سے مجھے احساس جرم سے نکالا۔“ خمار نے اعتراف کیا، وہ اثبات میں گردن ہلا کر گرم گرم چائے سے لطف لینے لگا۔ ذہن پھول کی طرح ہلکا پھلکا اور تروتازہ ہو گیا تھا۔

☆.....☆☆☆.....☆

گھر پہنچے تو ظہیر ہمایوں صاحب تھکن کے باعث بخار کی سی کیفیت میں تھے۔ تاج دین بابا نے فوری طور پر ہلکا سا کھانے کا اہتمام کرایا، چائے بنوائی، بخار کی گولیاں دیں، وہ کمرے میں آرام کرنے چلے آئے تھے، بیڈ پر دراز ہوئے تھے کہ تاج دین نے ہولے سے دروازے پر دستک دی۔

”کون؟“ وہ بولے۔

”میاں صاحب۔“

”تاج دین..... کیا بات ہے؟“

”وہ ملنے آیا ہے۔“

”کون.....؟“ وہ چونک کر بولے۔

”وہ نوجوان.....“

”نام بتاؤ پہیلیاں نہ بھجواؤ۔“

”وہ جس نے خمار بٹیا کی جان بچائی تھی۔“

”دفع کرو اسے۔“ وہ ایک دم کہہ گئے۔

”میں نے کہا اسے کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو بولا.....“

”ک..... کیا بولا؟“ وہ اٹھ بیٹھے۔

”انہیں میرا بتا دیں پھر جو وہ کہیں۔“

”بیٹھا میں۔“ وہ بے زاری سے بولے۔

”جی..... جیسا آپ کہیں۔“

”میں آتا ہوں۔“ انہوں نے اٹھ کر پیروں میں سلیپر پہنے۔ تاج دین بابا چلے گئے تو چند لمحے رک کے پھر باہر آ گئے۔ نشید کوڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا تھا۔ ظہیر ہمایوں صاحب آئے تو وہ کھڑا ہو گیا۔ مصالحنے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر انہوں نے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا بلکہ درستی سے پوچھا۔

”یہاں کیوں آئے ہو؟“

”آپ کو یہ بات بھول گئی کیا؟“ وہ خوش دلی سے بولا۔

”دیکھو..... نوجوان یہ بھول جاؤ کہ میں اپنا فیصلہ تمہارے حق میں کروں گا، بہتر ہے کہ رستہ بدل لو۔“ وہ گرج دارا آواز میں بولے۔

”رستے بزدل بدلتے ہیں، جو فریب اور جھوٹ پر رشتوں کی بنیاد رکھتے ہیں۔“ وہ طنزیہ بولا، انہیں اچھا نہیں لگا۔

”کہنا کیا چاہتے ہو؟“

”یہی کہ میں محبت میں بزدل نہیں، آپ کو اندازہ نہیں ہوا کہ اب تک میں کیسے آپ کے سامنے ڈٹا ہوا ہوں، کاش

سب میری طرح محبت کو محبت سمجھتے..... کیا خیال ہے آپ کا؟“ وہ آنکھیں ان کے چہرے پر مرکوز کر کے بولا۔
”مجھ سے یہ سوال کیوں؟“

”آپ کا بھی تو محبت کا پرانا تعلق ہے۔“

”لڑکے..... تمہاری دال یہاں نہیں گلنے والی، اب جاؤ اور وہ انگوٹھی بھی لے جاؤ..... میں لاتا ہوں۔“
”ارے نہیں..... نہیں وہ اس گھر کی ہے یہ فیصلہ ہونا باقی ہے کہ خمار کی ہے یا اس کی جس نے محبت میں خود کو فنا کر لیا۔“

”ایجنٹ بن گئے ہو، جذباتی بلیک میلنگ پر آمراء ہو، کتہہ کیا ہو۔“ وہ مشتعل ہو کر بولے۔
”شکر ہے جذبات کا ذکر تو کیا آپ نے..... سیدھی سی بات ہے اگر خمار کو انگوٹھی نہ پہنائی گئی تو آپ عزت و احترام کے بڑے مینارے سے گر کر زمین پر آ جائیں گے، زمانے کو چھوڑیں، خمار کو کیا بتائیں گے آپ؟“
”ایسا کچھ نہیں ہے جو تم یہ بکواس کرو۔“

”ٹھیک ہے پھر میں خمار سے آخری بار ملوں گا، اس کے بعد وہ آپ جیسے دیوتا باپ کی کتنی عزت کرتی ہے؟ یہ بتا چل جائے گا، چلتا ہوں۔“ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا تو وہ جلدی سے بولے۔
”سنو..... جھوٹ پر کوئی اعتبار نہیں کرتا۔“

”چلیں ٹھیک ہے میں کل ہی خمار سے ہر صورت ملنے آؤں گا۔“ وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔

”تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔“

”مگر آپ خمار کے لیے ہاں نہیں کریں گے تو ایسا ہی کروں گا؟ لے جاؤں گا خمار کو ان گلیوں، سڑکوں پر جہاں سے گزر کر آپ نے محبت کے کھیل کھیلے۔ خمار کو پتا چلے کہ ان کا باپ محبت کس سے کرتا ہے؟“ وہ مسکرایا۔
”اپنی بکواس بند کرو..... نکلویہاں سے۔“ انہوں نے چلا کر غصے سے کہا۔

”ارے کتنا وقت.....؟ دو دن۔“ وہ منحنے ہوئے سوداگر کی طرح بولا۔

”میں گیدڑ بھسکوں میں نہیں آتا۔“ ظہیر ہمایوں صاحب نے شستگی کو یا تسلیم نہ کی، وہ مسکراتا ہوا چلا گیا اور وہ وہیں صوفے پر گرے گئے لیکن وہ اگلے ہی لمحے واپس آیا اور بولا۔

”حقائق بے نقاب ہونے سے پہلے اگر بات کو سمجھ لیں تو بہتر ہے..... مجھے فون کر لیجیے گا۔“ وہ ایریوں کے بل گھوم

گیا۔

ظہیر ہمایوں سلگ اٹھے، جس راز کو سب سے چھپا کے رکھا وہ اپنی رسوا کرائے گا یہ تو انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

جنگونے اس کے استقبال میں کوئی کمی نہ چھوڑی تھی..... یاسمین بھی صبح پہنچ گئی تھی۔ ناشتے کا شان دار انتظام کیا مگر دس بج رہے تھے وہ نہ پہنچی تو دونوں ہی منتظر سے ایک دوسرے کے سامنے مصروف بنے دکھائی دے رہے تھے، ساڑھے دس بجے گیٹ پر گاڑی رکی، گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز پر وہ دونوں خوش ہو کر باہر کی طرف بھاگے، سچ سچ چاہت ہی آئی تھی..... جنگونے بڑھ کر سامان اٹھایا۔

”بڑی راہ دکھائی جی آپ نے۔“ اس نے محبت بھرا شکوہ کیا۔

”فلائٹ لیٹ ہو گئی تھی اور تم دونوں ٹھیک ہو؟“ اس نے چلتے ہوئے پوچھا۔

”جی ایک دم پھٹ پھاٹ۔“ جنگونے کہا تو اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”فٹ فٹ کہتے ہیں۔“ چاہت نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔
 ”ہم کیا جانیں پڑھے لکھے تو ہیں نہیں۔“ جگنو نے دانتوں کی نمائش کی۔
 ”یا سمین۔“
 ”جی.....“

”سامان کمرے میں رکھو اور اچھی سی چائے لٹاؤ۔“ کہہ کر وہ کمرے میں جانے لگی تو جگنو بولا۔
 ”خالی چائے نہیں، ناشتہ تیار ہے۔“

”ناشتہ تو کر لیا تھا..... فلاسٹ لیٹ ہونے کی وجہ سے۔“
 ”اور ہم نے جواتنا کچھ شوق سے بنایا اور کچھ کھایا بھی نہیں۔“ جگنو نے منہ لٹکائے بتایا۔
 ”کیوں نہیں کھایا؟“

”بس ہم نے سوچا آپ آجائیں تو.....“ یا سمین بولی۔
 ”اچھا لگاؤ ناشتہ، تھوڑا سا لے لیتی ہوں۔ فریش ہو کر آتی ہوں۔“ وہ کہہ کر کمرے میں داخل ہوئی تو فون بجنے لگا۔
 ظہیر ہمایوں کا نمبر تھا..... اس نے پہلے تو اینڈ نہیں کیا جب فون مسلسل بجتا رہا تو اسے اینڈ کرنا پڑا۔
 ”کیوں میرا فون نمبر ڈیلیٹ نہیں کرتے؟“ وہ اکھڑی اکھڑی سی بولی۔
 ”یہی تم سے پوچھتا ہوں کیوں میرا تعاقب کر رہی ہو۔“ وہ برہمی سے بولے۔
 ”تعاقب کر رہی ہوں..... کیا مطلب ہے اس بات کا؟“

”چاہت..... محبت کو روانہ کرو، اسے بازاری شے نہ بناؤ۔“ وہ شدید غصے کے ساتھ چلائے۔
 ”چلا میں مت؟ یہ سب کچھ محبت کے ساتھ آپ کر چکے ہیں۔ میرا یہ کام نہیں۔“ اس نے کہا۔
 ”تو پھر اس لڑکے کو روکو، وہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔“ دے دے لہجے میں انہوں نے غصہ نکالا۔
 ”کون لڑکا..... کیا مطلب ہے آپ کا؟“

”وہی جو تمہارا ہمدرد ہے، میرے گھر میں گھس کر محبت کے قصے سن رہا ہے اگر ہمارے درمیان کچھ رہا نہیں تو اسے استعمال مت کرو۔“

”ہمارے درمیان تو کبھی بھی کچھ نہیں تھا، ہمیشہ بدگمانی کی عینک سے دیکھا، کوئی نہیں ہے، میں نا کچھ سمجھ پارہی ہوں اور نہ سمجھنا چاہتی ہوں، پلیز میرا پیچھا چھوڑ دیں۔“ وہ بولی۔

”چاہتا تو یہ تھا کہ تلافی کروں گا مگر اس طریقے سے تو مجھے بالکل کھودو گی۔“ وہ بولے تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسی۔
 ”بابا..... تمہیں پایا کب تھا جو کھودینے کا غم ہو اور کون سی تلافی؟“ وہ بولی۔
 ”پلیز..... یہ جنگ بند کرو، میں فیس نہیں کر سکتا۔“

”ظہیر صاحب..... میں اب آپ کو جانتی بھی نہیں، لہذا مجھے آئندہ فون نہ کرنا، آپ کے کسی معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں۔“ چاہت نے دو ٹوک لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

شام تک انہوں نے اتنا زہنی دباؤ اور اعصابی تناؤ برداشت کیا کہ پھر بس ہو گئی..... تاج دین بابا نے ہنگامی طور پر فیملی ڈاکٹر کو بلوایا، ان کو شدید ڈپریشن اور ٹینشن کا ہٹا کر ڈاکٹر صاحب نے میڈیسن لکھ دیں اور ساتھ میں یہ خدشہ ظاہر کیا۔
 ”یہ کیفیت اگر دیر تک قائم رہے تو دل کے مسائل اور برین ہیمرج کے خدشات پیدا ہوتے ہیں..... اس لیے انہیں

سونے دیا جائے، ہر قسم کی ٹینشن سے دور رکھا جائے۔“ یہ باتیں سناؤ نے سنیں تو وہ حد درجہ پریشان ہوئی..... ان کی پٹی سے لگ گئی۔ ظہیر ہمایوں تو دواؤں کی وجہ سے پیند کی دنیا میں چلے گئے جبکہ خمار اور بہار ان کے پاس تھیں۔ خمار سر میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ بہار ہاتھ تھام کر چوم رہی تھی۔

”کیا ہو گیا ہے بابا کو؟“ بہار بہت دھیرے سے بولی۔

”جانے کیا ٹینشن ہے؟“

”بزئس کی؟“

”بزئس تو دن بدن رن کر رہا ہے، ایسا کچھ نہیں لگتا مگر کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔“ خمار نے جواب دیا۔

”بابا تو بہت بیمار لگ رہے ہیں..... معلوم کرو کیا ایشو ہے؟“ بہار نے آہستگی سے کہا۔

”پوچھا تھا مگر کچھ بتاتے ہی نہیں۔“

”جائیں گے تو میں پوچھوں گی۔“ بہار نے کہا۔

”نہیں..... فوراً سے کچھ نہیں پوچھنا..... آرام سے پوچھیں گے۔“ خمار نے کہا۔

”بابا کو پہلے کبھی ایسے نہیں دیکھا..... کیا پریشانی ہے؟“ بہار بڑبڑائی۔

”اللہ سب کرم کرے گا پریشان نہ ہو۔“ خمار نے حوصلہ دیا۔

”مجھے لگتا ہے بابا کو اعظم انکل اور شہزاد کے جانے کا صدمہ ہے۔“

”ارے نہیں..... نہیں، مجھے نہیں لگتا۔“

”کوئی بڑی بات ہے۔“ بہار کو یہی خدشا تھا۔

”چلو پتا چل جائے گا۔“ خمار نے بابا کی پیشانی چومی۔

”ہمارے تو بابا ہی ہیں۔“ بہار زیادہ دھکی ہو رہی تھی..... اسے ابھی ہی دل میں یہ صدمہ تھا کہ شاید وہی بابا کی بیماری کی

وجہ ہے۔ وہ سمجھ نہیں سکتی تھی کہ وہ اپنی ہی وجہ سے ابھن کا شکار ہیں اور اس کا حل کسی کے پاس نہیں۔ تاج دین بابا ہولے

سے دروازہ کھول کر اندر آئے تو آہستہ سے بولے۔

”آپ دونوں چل کر کھانا کھاؤ..... آرام کرنے دو، خود بھی آرام کرو رات آرام سے سو جاؤ۔“

”نہیں بھوک نہیں ہے۔“

”آرام کرنے دو، جاؤ آپ..... میں ہوں یہاں۔“ وہ بولے۔

”تاج بابا..... بابا کو کیا ہوتا جا رہا ہے؟“ خمار نے پوچھا۔

”ٹھیک ہو جائیں گے آپ پریشان نہ ہوں۔“

”چلو بہار۔“ خمار نے کہا اور بہار کا ہاتھ تھام کے باہر نکل آئی۔

☆.....☆☆☆.....☆

فردوسی آپا اور خلیب نے ناشتے کے بعد اسلام آباد کے لیے نکلنا تھا مگر لاہور کا موسم یکسر ابراؤد تھا، کالے بادلوں نے

آسمان گھیرے میں لے لیا، تیز ہوائیں جانے کہاں کہاں سے بادل سمیٹ کر لے آئی تھیں، دیکھتے ہی دیکھتے مینہ برسنے

لگی، موسم حد درجہ حسین ہو گیا تھا۔ خلیب نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر لان کا نظارہ کیا تو دل چاہا کہ جا کر مریم کے

ساتھ موسم انجوائے کرے، یہ سوچ کر نیچے آیا تو مریم کچن میں تھی۔

”کچن کے علاوہ کہیں اور بھی مل جایا کرو۔“ وہ مسکرا کر بولا، پر پل لباس میں سادہ سی اس کی طرف متوجہ ہوئی، خلیب

کو بے حد حسین لگی۔

”کوئی کام ہے؟“

”ناراض ہو منانا چاہتا ہوں۔“ وہ قریب آ کر بولا۔

”میں کیوں ناراض ہوں گی؟“

”میں شرمندہ ہوں۔“

”پلیز آپ اندر چلیں، میں آپ لوگوں کے سفر کے لیے سینڈوچز بنا کر لاتی ہوں۔“ اس نے کہا۔

”کتنی بے زار مہربان ہو؟ اتنے خراب موسم میں سفر کا کہہ رہی ہو۔“

”اوہاں..... سفر فی الحال نہیں کرنا چاہیے۔“ اسے بارش کا احساس ہوا۔

”تو پھر کچن سے نکلیں باہر لان کا نظارہ کرتے ہیں۔“

”ٹھیک..... آپ موسم انجوائے کریں، مجھے خانساماں کو دوپہر کے کھانے کا بھی سمجھانا ہے۔“ اس نے سنجیدگی سے

کہا۔

”خانساماں خود پکالے گا، پلیز آؤ باہر۔“

”نہیں ناں۔“

”پلیز.....“

”مریم..... آ جاؤ باہر ٹھیک کو کمپنی دو۔“ بیگم ذکیہ کمال بھی بارش کی وجہ سے آفس نہیں جاسکی تھیں، ٹھیک کا آخری

جملہ سن کر بولیں۔

”وہ تائی امی میں لنچ کے لیے.....“

”میں دیکھتی ہوں..... آپ ٹھیک کو کمپنی دو بلکہ میں اچھی سی کافی بھجواتی ہوں۔“ بیگم ذکیہ کمال نے کہا تو وہ ہاتھ

صاف کر کے ٹھیک کے ہمراہ چل دی۔

”کہاں بیٹھنا ہے؟“

”لان میں.....“

”مجھے بھینکنے کا شوق نہیں۔“

”اچھا برآمدے میں کھڑے ہوتے ہیں۔“

”اوکے.....“ وہ مان گئی، لان کے عقبی حصے میں برآمدے میں کھڑے ہو گئے۔

”دراصل..... میں چاہتا ہوں کہ موسم کے صدقے آپ تلخ بات بھول جائیں۔“

”ٹھیک..... نشید کو لے کر آئندہ بھی اس طرح کا رویہ مت اختیار کیجیے گا۔“ مریم نے اس کی گرم سانسوں کی حدت

سے بچتے ہوئے ذرا دور ہو کر کہا۔

”اوکے..... بس آپ میری ہیں۔“ وہ شوخ ہوا..... وہ چپ رہا۔

”کچھ تو کہو اس حسین بھیکے موسم میں۔“

”اب فلمی ہیر دن کی طرح گانا تو میں گانہیں سکتی۔“ مریم نے چھیڑا۔

”گنگنا تو سکتی ہو۔“

”نہیں۔“

”میں ٹرائی کرتا ہوں۔“ وہ لہرایا۔
 ”بس..... بس، میں جارہی ہوں۔“ مریم ہنستی ہوئی ہاتھ جوڑ کر اندر کی طرف بھاگ گئی۔
 ”ہنہ..... روم جھم کی برسات ہے۔“ وہ ہولے سے گنگناٹا ہوا خود بھی اس کے پیچھے ہی آ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

گھر سے دوری اور دیار غیر میں کام کی مصروفیت انسان کو تھکا دیتی ہے، چند روزہ مصروفیت کے بعد گھر میں داخل ہوتے ہی چاہت کا دل سکون سے بھر گیا تھا..... سوائے ظہیر ہمایوں صاحب کے فون سے پیدا ہونے والی کوفت کے لیکن اس کوفت کو بھی اس نے لمحوں میں پرے دھکیل کے جگنو اور یاسمین کے شوق سے بنائے ناشتہ کو انجوائے کیا تھا پھر کمرے میں آ کر سو گئی تھی۔ سوئی بھی ایسے کہ دنیا دماغیہا سے بے خبر ہو کر، بارش برسی یا تیز ہواؤں نے شور مچایا اس کی آنکھ نہیں کھلی، فون ساکنٹ پر کر کے سوئی تھی، اس لیے کوئی آواز بے آرام نہ کر سکی تھی۔

شام کے آثار نمایاں تھے تب ایک دم ہی آنکھ کھل گئی، گھڑی پر نظر ڈالی تو پونے چھ ہو رہے تھے، جلدی سے اٹھی، وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھی۔ جائے نماز پر کافی دیر بیٹھ کر تسبیح پڑھی بی بی نے اس کی عادت بنائی تھی کہ ہر نماز کے بعد درود شریف کی ایک یا دو تسبیح پڑھتی تھی، کچھ دیر آنکھیں موند کر تسبیح پڑھتی تھی بہت سکون محسوس کرتی تھی..... اس کو یاد آ رہا تھا بی بی لمبی دعا مانگنے کے بعد بہت سکون و اطمینان کے ساتھ کہتی تھیں۔

”چاہت..... سب سے خوب صورت رشتہ اور تعلق رب العالمین کے ساتھ ہے، جس پر بھروسہ کبھی ہارنے نہیں دیتا، جس پر توکل کبھی غم میں مبتلا نہیں ہونے دیتی، جس سے امید کبھی مایوس نہیں ہونے دیتی، جس پر یقین کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا جس پر ایمان کبھی بھگنے نہیں دیتا، جس کی طرف توجہ کبھی بھٹکنے نہیں دیتی، یاد رکھنا جس کا رب اس کا سب ہے۔“

”یا اللہ کریم..... ہمارے دلوں میں اپنی محبت والفت پیدا فرما آمین۔“ اس نے بھیگی پلکوں کے ساتھ دعا کی اور جائے نماز تہہ کر کے ابھی اٹھنے ہی والی تھی کہ اسے اپنے بیٹے اور سائیڈ ٹیبل کے درمیان ایک لفافہ گر نظر آیا..... اس نے ہاتھ بڑھا کر اٹھایا اور بیڈ پر بیٹھ کر پورے سکون کے ساتھ الٹ پلٹ کر دیکھا۔

لفافہ بالکل صاف تھا اس پر کچھ نہیں لکھا تھا..... اس نے کھولا کیونکہ وزنی تھا، صفحے ایک کے بعد ایک الگ کرتی گئی اور حیرت سے آنکھیں پھیلتی گئیں۔ آخر میں دو پاسپورٹ سائز تصویریں اس کی گود میں گریں..... خوب صورت تصویریں جگنو کی تھیں۔ پینٹ کوٹ میں ٹائی لگائے، وہ جگنو تو نہیں لگ رہا تھا۔

کاغذات میں اس کی پہچان جاذب رحمان تھی..... اس کی میٹرک سے ماسٹر اور ایم فل سب ڈگریوں پر وہ جاذب رحمان تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے تھے، ماتھے پر پسینہ چمکنے لگا..... یاسمین چائے کا کپ لے کر آئی تو اسے عجیب سی حالت میں دیکھ کر پریشان ہوئی۔

”بی بی..... کیا ہوا، آپ ٹھیک تو ہیں؟“ یاسمین نے کپ میز پر رکھ کر فکر مندی سے پوچھا۔

”یہ لفافہ تم نے یہاں رکھا تھا؟“ اس نے پوچھا۔

”جی..... جی..... یہ شاید جگنو کے کمرے سے ملا تھا۔“ وہ پہچان کر ہٹکائی۔

”جاؤ..... جگنو کو بھیجو۔“

”وہ باہر گیا ہے۔“ اس نے بتایا۔

”کیوں؟“

”بلبل لینے، بارش کی وجہ سے اس کے کمرے کے باہر والا بلبل خراب ہو گیا ہے۔“ یاسمین نے بتایا۔
 ”ٹھیک ہے، جاؤ اسے صرف یہ کہنا کہ میں نے بلایا ہے اور کچھ نہیں کہنا۔“ اس نے کافی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔
 ”کوئی پریشانی والی بات ہے کیا؟“ یاسمین ڈر گئی۔
 ”تم جاؤ۔“

”جی بہتر۔“ یاسمین چلی گئی۔
 ”جگنو تم نے مجھے فریب دیا..... تم جاذب تھے، کیوں؟“ وہ سخت غمگین اور غصے کی حالت میں بڑبڑائی اور اٹھ کر ٹہلنے لگی..... عجیب تحریر آمیز کیفیت تھی، ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی فلم دیکھی ہے، پراسرار، چونکا دینے والی، یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ اس کے گھر میں، اس کے ساتھ ہوا۔

”کیا بی بی کی سادگی سے فائدہ اٹھایا بی بی کو اس کی حقیقت معلوم تھی؟ اتنی تعلیم، اتنی قابلیت کے ساتھ ایک عام سے ملازم کا کردار کیوں نبھا رہا تھا؟ یا اللہ! اس کا یہ بہروپ کیوں تھا، اتنا بڑا دھوکا؟“ وہ رہ رہ کر ہول رہی تھی، کئی بار اس کے کاغذات دیکھ چکی تھی، اسناد کی مصدقہ نوٹو کا پیز اس کی نظروں کے سامنے تھیں، جاذب رحمان ولد عبد الرحمان بار بار دہرا رہی تھی۔

تقریباً آدھا گھنٹہ گزر گیا تھا تب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور اس کے لیس کہنے پر جگنو ہنستا مسکراتا اس کے سامنے حاضر ہوا۔

”آپ نے بلایا تھا۔“

”ہاں..... بڑے محل سے جواب دیا۔“

”کوئی کام؟“

”کام کے بندے ہو، خوب کام کرتے ہو۔“ ایک دم ہی اس کے لب و لہجے میں طنز شامل ہوا۔

”ہاں جی..... جگنو صاحب کام سے جی نہیں جراتے۔“ وہ بیسی کی نمائش کرتے ہوئے بولا۔

”کام..... کام میں کام کر جاتے ہیں۔“ وہ بولی۔

”جگنو صاحب سمجھے نہیں۔“

”جگنو صاحب کو کبھی اپنے گھر والے یاد نہیں آتے؟ میرا مطلب اباجی وغیرہ وغیرہ۔“ چاہت نے اس کے چہرے پر نگاہ جمائے پوچھا۔

”اباجی کو تو اللہ میاں کے پاس گئے ایک زمانہ ہو گیا ہے جی۔“

”اور باقی؟“

”باقی تو رہے نام اللہ کا، جگنو صاحب کا اور اللہ اور نیچا آپ ہیں جی۔“ وہ بولا تو وہ ہنسنے لگی۔

”بابا..... بہت خوب۔“ وہ حیرت سے اس کا منہ ٹکٹنے لگا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں پڑھے)

